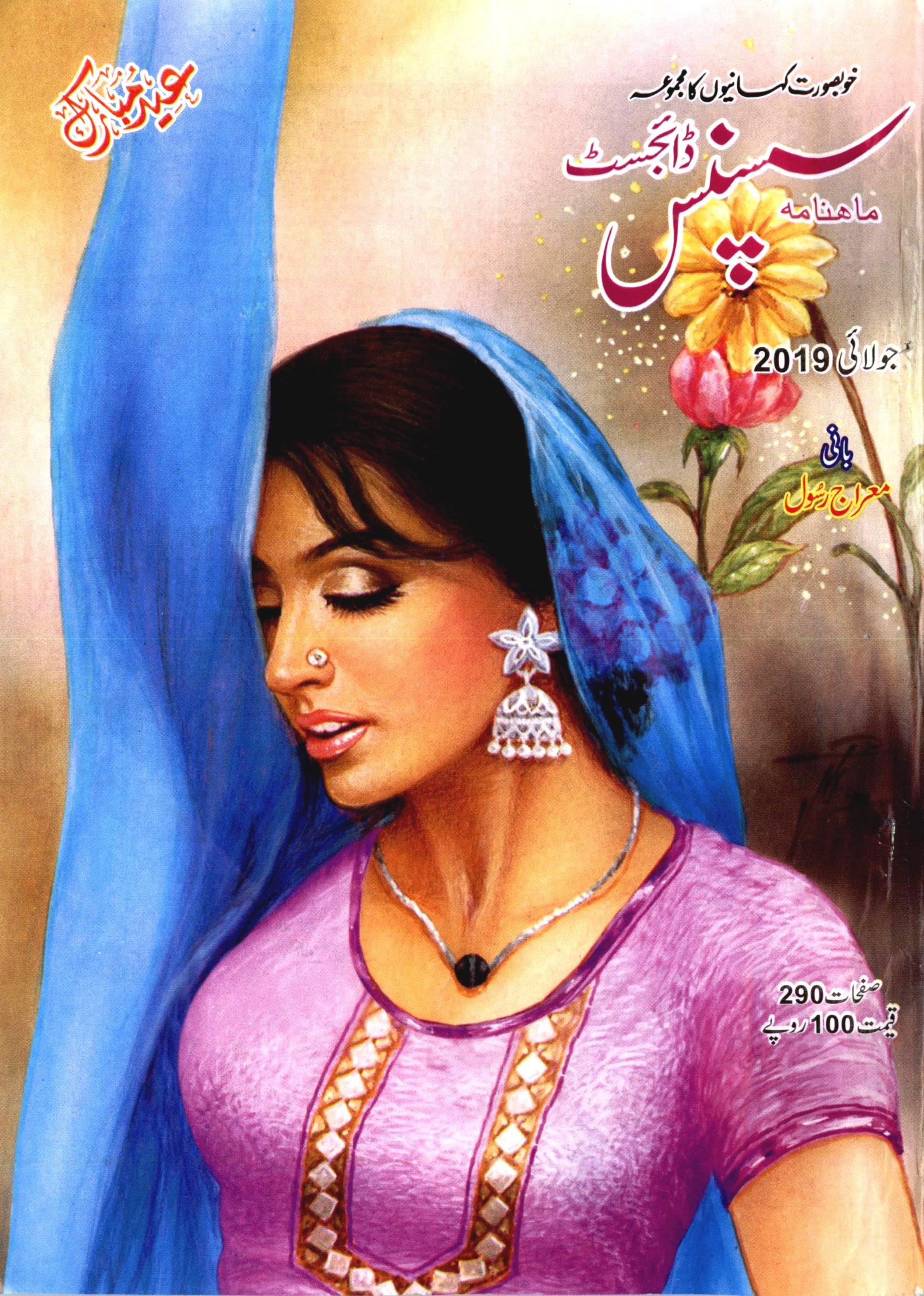
خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ

# سسپنس ڈائجسٹ

جولائی 2019

بانی
معراج رسول





صفحات 290
قیمت 100 روپے

سسپنس ڈائجسٹ
CPNE
MEMBER APNS

مدیرِاعلیٰ
عذرارسول

مدیرہ یمنیٰ احمد
نائب مدیر اطہر حسین

مینجراشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن مینجر
سید منیر حسین
0333-3285269



جلد48 • شمارہ 07 جولائی2019 • زرِسالانہ 1200 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 100 روپے •
خط کتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر215 کراچی74200 • فون: 35895313 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

پبلشر و پرو پرائٹر: ذیشان رسول • مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسین • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ملکی اسٹیڈیم کراچی
2019

انشائیہ

جون ایلیا

# مخول۔۲

سرمد یہ سن کر ایک لمحے کے لیے ٹھہرتا ہے اور انہیں ان کی بینائی میں شگاف ڈال دینے والی نگاہوں سے، ایک ماجرا ناک ہنسی ہنستی ہوئی نگاہوں سے گھور کر دیکھتا ہے اور حالتِ حال میں ایک شعر سرکرتا ہے اور ہوا کے حاشیوں میں آگ لگا دیتا ہے۔

''دیر یست کہ افسانۂ منصور کہن شد۔ من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را۔ منصور حلاج کا افسانہ پرانا ہو چکا ہے۔ میں نئے سرے سے دار و رسن کی جلوہ دہی کروں گا۔''

وہ یہ کہہ کر قہقہہ لگاتے ہوئے، ایک اسرار آگیں اور مہیب قہقہہ لگاتے ہوئے مسجد کے جنوبی دروازے سے باہر نکل جاتا ہے...... اور ایک سناٹا ہے کہ چھا جاتا ہے۔ لمحے لمحے کی گزران، اداسی اور افسوس کا سناٹا۔ تاریخِ ہند کی 17ویں صدی کا سب سے اداس اور پُرافسوس سناٹا۔

''میں ایک زندیق ہوں، ایک دوزخی ہوں، بالکل اسی طرح جس طرح میرا نامور بزرگ مرزا نوشہ ایک زندیق اور دوزخی تھا۔ میں نے اور میرے اس بزرگ نے اس مسجد میں کبھی نماز نہیں پڑھی پر میرا دل، مجھ زندیق کا دل اس مسجد کا دعا گو ہے۔''

مسجد کے مناروں کی سربلندی دھند میں کھو گئی ہے۔ مسافر سر اٹھائے ہوئے اس سربلندی کو ڈھونڈتا ہے۔ اس کی گردن دکھنے لگی ہے مگر اپنے دل میں اپنی دلی میں ایک مسافر، ان گنبدوں اور ان مناروں کو دعا دینے کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہے؟

''اے گنبدو اور منارو! تمہارا کوئی بھی متولی، بیسویں صدی کے پہلے دہے سے لے کر دسویں دہے تک کا کوئی بھی متولی، کوئی بھی بڑبولا متولی، کوئی بھی سیاست پیشہ متولی اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہے۔'' مسافر کربناک آواز میں کلام کرتا ہے۔

''تیرے گنبد، گنبد نیلی فام کے مانند ہمیشہ ہمیش فضا پرور رہیں۔ تیرے مناروں کی سربلندی اور ارجمندی پر کبھی پستی کی دراز دستی کا زور نہ چلے۔ یہ دعا ایک زندیق، ایک دوزخی کی دعا ہے، اپنے صدیوں کے وطن میں ایک بے وطن زندیق اور دوزخی کی دعا۔

''یہ گنبد اور یہ منارے ایک ہارے مارے، بے تدبیر اور دانش دشمن گروہ کے عہدِ عروج کی وقت آزما یادگار ہیں اور میں جو کوئی بھی نہیں ہوں، وہ ''میں'' ہارے مارے گروہوں کا غم گسار رہا ہوں۔ میں تاریخ کے ہارے مارے گروہوں کا نوحہ خواں رہا ہوں اور ہوں۔ سوائے گنبدو اور منارو! میں تمہارا ریمیاہ ہوں، تمہارا نوحہ خواں، تمہارا مرثیہ گو۔'' مسافر اپنے سینے میں کراہنے لگتا ہے۔

مسجد کے مشرقی دروازے کے سامنے کچھ نفوس عدم کی ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نفس جب زندہ تھا تو اپنی خطابت کا بے تاثیر اور بے حاصل ہنر دکھایا کرتا تھا۔ اس نے اس مسجد، شاہجہانی مسجد میں جانے کتنی بار اپنے شوقِ خطابت کی ہوس پوری کی۔

''عزیزانِ گرامی! میرے لیے شاہ جہاں کی اس یادگار مسجد میں یہ اجتماع نیا نہیں ہے۔ میں نے اس زمانے میں بھی تم سے یہیں خطاب کیا تھا، جب تمہارے چہروں پر اضمحلال کے بجائے اطمینان اور تمہارے دلوں میں شک کے بجائے اعتماد تھا۔ آج تمہارے چہروں کا اضطراب اور دلوں کی ویرانی دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار پچھلے چند سالوں کی بھولی بسری کہانیاں یاد آ جاتی ہیں۔

''تمہیں یاد ہے، میں نے تمہیں یہیں سے پکارا اور تم نے میری زبان کاٹ لی۔ میرا احساس زخمی ہے۔ سوچو تو سہی، تم کہاں پہنچے اور اب کہاں کھڑے ہو؟ کیا یہ خوف کی زندگی نہیں؟ اور کیا تمہارے حواس میں اختلال نہیں آ گیا۔ یہ خوف تم نے خود فراہم کیا ہے۔''

مسافر اپنے سینے میں کراہے جا رہا ہے۔ اس اثنا میں اس کی نگاہ دائیں جانب اٹھتی ہے۔ دائیں جانب ایک سرخ سنگینی، خم کھائی ہوئی ایک طویل سنگینی سینہ پھیلائے کھڑی ہے اور وقت سے ٹھٹول کر رہی ہے، ایک عالی شان ٹھٹول۔ اور وقت، باجبروت وقت، اس سے ٹھٹول کر رہا ہے۔ ایک باجبروت اور پُرجلال ٹھٹول اور یہ سلسلہ کئی پشتوں سے جاری ہے۔ ''نگاہ روبرو! نگاہ روبرو!''

دربارِ عام کی حضوری، بدبخت حضوری، حاضری اور بدانجام ترین حاضری نسل ہا نسل کے حافظے کا تمسخر بن چکی ہے، ایک بے رحم، بے حد بے رحم اور یکسر بجا تمسخر۔ اگر وقت سے مخول کی جائے گی تو اس کی سزا بھی بھگتی جائے گی۔ انہوں نے وقت سے مخول کی اور اس بات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا کہ وقت سب سے بڑا مخول کرنے والا ہے۔ دربارِ خاص سے ایک آواز آتی ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمین است...... ہمیں است و ہمیں است

مسافر یہ آواز سن کر ہنسی کے مارے بے قابو ہو جاتا ہے اور اتنا ہنستا ہے کہ انجام کار رونے لگتا ہے مگر نہ اس کے منہ سے کوئی آواز نکلتی ہے اور نہ اس کی آنکھوں سے کوئی آنسو۔ ......

# آپ کے خط

عزیزان من!
السلام علیکم!

جولائی 2019ء کا خوب صورت شمارہ عید کے لمحات کو مزید دلکش بنانے کے لیے حاضر ہے۔ پرچے کی اشاعت کے دوران رمضان المبارک کی باسعادت ساعتوں کا اختتام اور عیدالفطر کا بہترین وقت آپ لوگ گزار چکے ہوں گے۔ کہیے جناب شدید گرمی میں روزے کیسے گزرے...... یقیناً موسم گرما کے روزے ہر مسلمان کے لیے آزمائش اور اس پر پورا اترنے والوں کے لیے بہت اجر و ثواب ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یا الرحم الراحمین ہم سب کی عبادتوں کو قبول و مقبول فرمائے۔ (الٰہی آمین) امید ہے کہ عیدالفطر کی خوشیوں میں آپ نے اپنے پرایوں کے ساتھ ساتھ ضرورت مندوں کا بھی خوب خیال رکھا ہوگا کیونکہ ہمیں ہمارا دین بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ بہر حال آپ تمام اہالیان وطن کو عید کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔ ابھی تو ایک ہی معرکہ سر ہوا ہے اس کے بعد پاکستانی عوام کے لیے بجٹ کا بم بھی گرایا جانے والا ہے۔ گویا جون کا مہینا نہ صرف شدید گرمی بلکہ اقتصادی سرگرمیوں سے بھی بھرپور ہوتا ہے اب دیکھیے کہ غریب کی غربت اور امیر کی امارت کتنی تیزی سے اپنا سفر طے کرتی ہے۔ پہلے کبھی کبھی بجلی، گیس اور پیٹرول کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا تھا مگر اب ماشاء اللہ جس قدر تیزی سے ہر ماہ اضافہ ہو رہا ہے اس سے لگتا ہے کسی بھی ادارے میں کوئی چیک اینڈ بیلنس نہیں ہے۔ جس کا جب دل چاہے منہ اٹھا کے اضافہ کر دیتا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو مہنگائی کا تعلق صرف روٹی کپڑا اور مکان سے ہی نہیں ہے بلکہ اس کا اثر کسی بھی خاندان پر مختلف انداز میں ہوتا ہے جس سے بچوں کی تعلیم، مریضوں کے علاج تک متاثر ہو جاتے ہیں۔ چیک اینڈ بیلنس تو محکمۂ صحت پر بھی نہیں ہے۔ جس کی کرم فرمائیوں کی بدولت دورِ حاضر کے مسیحاؤں کو مرض کی درست تشخیص تک کرنی نہیں آتی جس کے نتیجے میں غلط دواؤں کا انتخاب کر کے مریض کی جان تک لے لیتے ہیں اور پھر غلطی سے دی جانے والی دوا یا لگایا جانے والا انجکشن کسی بھی خاندان میں تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ خدارا کہیں تو اپنی ذمے داریوں کا حق ادا کیجیے۔ پاکستانی عوام کو کس کس طرح پیسا جا رہا ہے مگر کوئی دادرسی کرنے والا نہیں۔ کہیں روزگار نہیں...... کہیں پانی کی تنگی...... کہیں جان لینے والی تباہ کن سڑکوں کا وبال...... کہیں مرکزِ صحت میں بنیادی سہولتوں کا فقدان، کہیں گیس اور بجلی کے لمبے چوڑے بلوں کا عذاب...... گویا کہ زندگی کا دائرہ رفتہ رفتہ تنگ سے تنگ ہوتا جا رہا ہے...... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے گھٹن زدہ ماحول میں ہم اپنی نئی نسل کو کیا دے رہے ہیں۔ کیا ان کے ذہنوں میں پلنے والا زہر انہیں ترقی کی راہوں کو کھولنے میں مددگار ثابت ہوگا؟ یا بغاوت کو جنم دے گا؟ بہت ضرورت ہے اس حبس کو دور کرنے کی...... تازہ ہوا کے لیے کھڑکیاں کھولنے کی۔ یہ نہ تو رسمی باتیں ہیں نہ کتابی...... بلکہ یہ تو زندگی کی تلخ حقیقت ہے جس سے آنکھیں چرانے کا مطلب مزید تباہی ہے.. اللہ سے بہتری کی دعا اور امید کے ساتھ ساتھ اب ذرا خبر لیتے ہیں اپنی محفل کی جہاں کچھ لوگ بہت پیار سے ہمارے منتظر ہیں۔

✠ حریم خان کا پہلا خط لاڑکانہ سے ۔ ''یوں تو ہمیں پڑھنے کا کوئی خاص شوق نہیں مگر سوئے اتفاق ایک دوست کے گھر جانا ہوا تو وہاں سسپنس ڈائجسٹ رکھا دیکھا۔ چونکہ ہماری دوست کچن میں مصروف تھی اس لیے ایسے ہی ٹائم پاس کے لیے ڈائجسٹ اٹھا لیا مگر جب پڑھنا شروع کیا تو مزہ آنے لگا۔ پھر کیا تھا، ہم نے وہاں سے واپسی پر ڈائجسٹ اپنے ساتھ لے لیا اور گھر آ کر مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ یقین جانیے ایسا چسکا لگا کہ اب تو پڑھے بغیر سکون نہیں ملتا۔ وقت ہماری فیورٹ سلسلہ وار کہانی بن گئی ہے۔ علی جس اطمینان و سکون سے دشمنوں کو نچا رہا ہے، وہ بہت عمدہ ہے۔ اس کا یہی اطمینان ہمیں پسند آتا ہے۔ ساتھ ہی اس کی رنگیلی طبیعت بھی کہانی میں دلچسپی پیدا کر رہی ہے۔ گو کہ یہ غلط ہے مگر کہانی اور کریکٹر کے حساب سے اس پر فٹ بیٹھ رہی ہے، علی کی روحانی پرواز بھی بہتر سے بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایس این بی والے اسے قابو کرنے کے لیے کونسا ہتھکنڈا آزماتے ہیں۔ دوسرا سلسلہ رنگِ آسماں بھی بہتر ہے۔ زویا اعجاز صاحبہ کی تاریخی کہانی آخری خلش میں فارسی بادشاہ زرکسیز کے جنگی جنون کو دکھایا گیا۔ یونان کو فتح کرنے کے جنون میں وہ اندھا دھند بڑھا چلا جا رہا ہے اور حقیقت سے منہ موڑ رہا ہے۔ اب

دوسرا حصہ

زمین ہو یا کوئی بھی قیمتی شے، اللہ تعالیٰ نے
ان میں ایک ایسا بھید چھپا رکھا ہے کہ انسان نہ
صرف اس کی کشش کی جانب بے اختیار کھنچتا
ہے بلکہ ایسی کشمکش کا شکار بھی ہو جاتا ہے جو
اسے سب کچھ پالینے کے ہیجان میں مبتلا کر دیتی ہے
جیسے کہ زرکسیز... جس کے سر پر دنیا فتح کرنے کا
جنون سوار ہو چلا تھا اور اس کی فطرت میں کسی بھی
مقام پر انکار سننے کا حوصلہ شامل نہ رہا تھا... اور جب جب
ایسا کچھ بھی ہوا تو وہ ایک ایسا بادشاہ بن گیا جس کے غیظ نے
سمندروں کو بھی انوکھی سزا دے ڈالی... یونانی مہم کے اس اہم
ترین موڑ پر وہ اپنی افواج کے حوصلوں کی ایک نئی بلند پروازی
آزمانا چاہتا تھا... اس کے سپاہی ایک اشارے پر جان نثار کرنے کے لیے
تیار رہتے تھے... زمین نے اس کے قدموں تلے بچھنا شروع کر دیا تھا... وہ
ایک طاقتور بادشاہ کے نام سے جانا جاتا تھا مگر... کامیابی کے اس بلند مقام
پر پہنچ کر بھی اسے ایک خلش نے یوں بے چین کر ڈالا کہ یہ ساری فتوحات
اسے مٹی کا ڈھیر نظر آنے لگیں اور پھر... یہی آخری خلش اسے اپنے انجام کی
جانب دھکیلتی چلی گئی...

[illegible]

# آخری خلش

زویا اعجاز



# دردِ دل

ثمر عباس

جس طرح مغرب کی ہر بات نرالی سمجھی جاتی ہے اسی طرح وہاں محبت کرنے یا اپنا حق جتانے کا بھی ایک الگ انداز ہے... وہ جو اس کے گم ہو جانے پر چاہت کا درد دل میں چھپائے جی رہا تھا اس کے مل جانے پر اس درد نے تو گویا اس کی جان ہی لے لی... کیونکہ اس کی محبت جس قربانی کا تقاضا کر رہی تھی اگر وہ اسے پورا نہ کرتا تو اپنا نام کس طرح امر کرتا...

**منافقت بھرے معاشرے میں عشق کی آزمائش پر پورا اترنے والے عاشق کا قصہ.....**

سام نے ٹرام سے اتر کر چھڑی کے سہارے سڑک پار کی اور فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ اس نے اپنی جیب سے وہ کاغذ نکالا جس پر پتا لکھا ہوا تھا اور پہلی عمارت پر لگے ہوئے نمبر دیکھنے لگا۔ اس کا مطلوبہ مکان تین دروازے چھوڑ کر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس جانب بڑھا۔ اس کی نظریں ایک تین منزلہ آسمانی رنگ کے مکان پر ٹھہر گئیں جس کے سامنے کی جانب ایک چوڑی گیلری اور زرد رنگ کا سائبان تھا۔

اس نے گیلری کی طرف جانے والی آٹھ سیڑھیاں چڑھنے کے لیے ریلنگ کا سہارا لیا۔ اچانک ہی اس کی بائیں ٹانگ میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ اس نے رک کر اپنے دانت بھینچ لیے تاکہ درد دور ہو جائے۔ وہ آخری سیڑھی پر تھا کہ بجلی کی کڑک سن کر اس نے بے اختیار گیلری کی جانب چھلانگ لگا دی۔ ایک بار پھر ٹانگ میں ٹیس اٹھی۔ اسے چاہیے تھا کہ صرف اسپرین کے بجائے وہ درد دور کرنے کی گولیاں ساتھ لے کر آتا لیکن آج کے دن وہ ایسی کوئی دوا استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کا ذہن اور نگاہ کام کرتی رہے۔





**اکیسواھواں حصہ**

# رنگ آسماں

اے۔آر۔راجپوت

ماضی کی تنگ و تاریک مگر خوابناک راہداریوں سے جنم لینے والے ایسے کردار... جنہیں واقعات و شواہد نے خود ترتیب دے کر ان کی زندگی کی بے قراریوں کو ایک ایسے مقصد میں ڈھال دیا جس کا ادھورا پن بے شمار ہلاکتوں کا سبب بن جاتا... لہٰذا اس کی تکمیل کے لیے وہ باغی فطرت انسان میدان جنگ میں یوں اترا کہ دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر دینے والے گداز احساسات کو بھی بھول گیا لیکن... عشق تو پھر عشق ہوتا ہے... کوئی کتنا ہی بھولنا چاہے، عشق اپنا مسکن کبھی نہیں بھولتا۔ جس دل میں بس جائے اسے اپنے ساتھ ہی لے کر جاتا ہے... اور پھر ایک دن اچانک اس کے من کا موسم بھی بدل گیا کیونکہ... وہ فرنگی حسینہ دلی کے اس نوجوان کو دل دے بیٹھی تھی، جس کا ہر قدم آزمائش اور ہر نظر کسی امتحان سے کم نہ تھی، اس کے باوجود... خاک و خون کے اس کھیل میں نہ تو اس نے خوابوں کو بکھرنے دیا اور نہ ہی جذبوں کو بے لگام ہونے دیا۔ کیونکہ وہ آسمان پر بکھرے رنگوں کا مطلب جان گیا تھا۔

مشرق و مغرب کے عجب امتزاج اور تاریخی جنوں خیزیوں کے عبرت اثر اشاروں میں لہراتی دلچسپ داستان

# طوفان کے بعد

شاہ زین رضوان

ہر موسم کا اپنا ایک خاص رنگ ہوتا ہے جو وقت گزرنے جانے کے ساتھ اپنے نشان چھوڑ جاتا ہے۔ بالخصوص برسات کا موسم اور پھر اس میں شدید طوفان کا آ جانا... اس کی زندگی میں بھی ایک ایسا ہی طوفان آگیا تھا جس نے اس کی جڑوں کو بھی ہلا دیا مگر... اس نے اپنے پیروں کو زمین سے جدا نہ کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ لہٰذا جو بھی ہوا وہ کچھ اتنا غلط بھی نہ تھا۔

**ازدواجی زندگی کی بے اعتباری اور دھوکے باز شوہر کی عیاری کا ماجرا**

وہ ستمبر کا مہینا تھا۔ اس روز بدھ کی صبح میں اور اوون کام پر جانے کی تیاری کر رہے تھے، تبھی میرے بیٹے کریگ نے بتایا۔ ''طوفان کا خطرہ ہے۔ صبح پانچ بجے کی خبروں میں بتایا گیا ہے کہ یہ تیسرے درجے کا طوفان ہے اور یہاں کا رخ کر سکتا ہے۔ تم دونوں کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

اوون نے کمپیوٹر کا ڈھکنا بند کرتے ہوئے کہا۔ ''کیسا طوفان؟''

میں نے اپنی آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔ ''ہری کین جونا۔ کیٹگری تھری۔ پانچ بجے کی خبروں کے مطابق یہ فلوریڈا کے جنوب مشرق میں آٹھ سو پچاس میل کے فاصلے پر تھا۔ ہم اس مکان میں رہ کر اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن چوتھی یا پانچویں کیٹگری کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''گزشتہ موسم گرما میں جو طوفان 'ارما' آیا تھا، اس میں تو... کوئی نقصان نہیں پہنچا۔''



# بہری عافیت

صبا مغل

کبھی کبھی نہ صرف انسان کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے بلکہ سماعت بھی دھوکا دینے لگتی ہے مگر... یہاں تو کچھ بھی دھوکا نہ تھا... ہر چہرے سے نقاب اتر چکا تھا... ہر لفظ واضح سنائی دے رہا تھا... بس یہی غم اسے کھا گیا تھا...

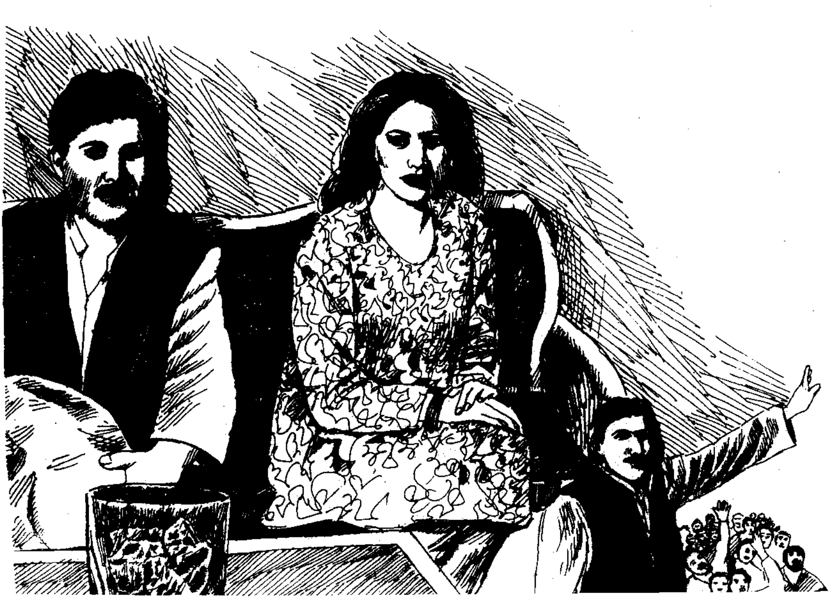
سماعت سے محروم ایک باشعور انسان کی حساسیت......

وہ اپریل کی ایک نیم گرم شام تھی۔ اسلم ابھی ابھی کام سے واپس آیا تھا اور آتے ہی بستر پر لیٹ گیا۔ اسے بخار محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ دیر کروٹیں لینے کے بعد اس نے ٹی وی آن کرنا چاہا۔ اس کی جواں سال بیوی شاہین گھر کے چھوٹے سے کچن میں آٹا گوندھ رہی تھی۔

"شاہین...... ذرا ریموٹ تو دینا۔" اس نے بیوی کو آواز دی۔ بیوی نے کچن کے دروازے سے سر نکالا۔ اس کے ہاتھ آٹے میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اس نے بستر کے تکیے کی طرف اشارہ کیا، مطلب یہی تھا کہ ریموٹ تکیے کے نیچے ہے۔

اسلم نے ٹی وی آن کیا۔ قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ دل مسوس کر رہ گیا۔ اسکرین پر ابھرنے والے مقدس الفاظ تو وہ دیکھ سکتا تھا مگر تلاوت کی دلنشین آواز نہیں سن سکتا تھا۔ اس کی مجبوری بھی عجیب تھی، وہ بول سکتا تھا مگر سن نہیں سکتا تھا۔

وہ محض بارہ سال کا تھا جب اس کے کانوں میں انفیکشن ہوا۔ بہت سے علاج آزمائے گئے۔ اس کے



# ردّوبدل

مرزا امجد بیگ

اپنی غلطی دوسروں کے حصے میں ڈال دینے کا رواج ہمارے معاشرے میں بہت پرانا ہے اور اس سے زیادہ خطرناک بات یہ کہ خود سے کیے جانے والا جرم بھی اگر کسی اور کے سر تھوپنے کی کوشش کی جائے تو اس کے نتیجے میں کسی کا نہ صرف مستقبل تباہ بلکہ اس کے پورے گھرانے کی بربادی بھی یقینی ہو جاتی ہے... اور ایک وقت ایسا آتا ہے جب قدرت کا انتقام حرکت میں آتا ہے اور ہر نقصان اور دکھ کا ڈبل ہرجانہ دینا پڑجاتا ہے مگر اسے قدرت کے اس قانون پر شاید یقین نہ تھا اسی لیے اس نے جو ظالمانہ قدم اٹھایا اس کے خطرناک انجام کا اسے خود بھی احساس تک نہ تھا لیکن قدرت کب کسی کو چھوڑتی ہے...

اتفاق سے مل جانے والے ایک پریشان حال مسافر کے غموں کی داستان

وہ ماہ اگست کی ایک حبس زدہ اور گرم شام تھی۔ میں اپنے ایک عزیز کو ائرپورٹ چھوڑنے کے بعد واپس آرہا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا تاہم ابھی تک فضا میں حدت رچی بسی تھی۔ یہ میں بیرونی فضا کی بات کر رہا ہوں ورنہ میری کار کے اندر تو ائرکنڈیشنر آن تھا جس کے باعث اندرونی موسم خاصا خنک اور خوشگوار محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے جیسے ہی شارع فیصل کو الوداع کہہ کر اپنی گاڑی کو سندھی مسلم سوسائٹی کی جانب موڑا، ایک منظر نے مجھے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔

میری سائڈ پر سڑک کے کنارے دو افراد ایک دوسرے سے بری طرح الجھے ہوئے تھے اور ان کے نزدیک ہی ایک رکشا بھی کھڑا تھا۔ ان دونوں میں ایک جوان تھا اور دوسرا عمر رسیدہ۔ شاید میں ان پر ایک نگاہ ڈال کر آگے بڑھ جاتا لیکن جوان شخص کی ایک حرکت نے مجھے رکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے اپنی گاڑی کو رکشا کے نزدیک روکا اور باہر نکل آیا۔ اس دوران میں جوان شخص نے بوڑھے شخص کو گریبان سے پکڑ لیا تھا۔

''اسے چھوڑ دو......'' میں نے جوان کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''یہ بزرگ تمہارے باپ کی عمر کا ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔ مجھے بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟''

''بڈھے کا دماغ خراب ہو گیا ہے صاحب......'' وہ بدتمیزی سے بولا۔ ''میں نے اسے قیوم آباد سے اپنے رکشا میں بٹھایا اور وہ بھی بحث مباحثے کے بعد انتہائی کم کرایہ طے کر کے۔ یہاں پہنچ کر میرا رکشا خراب ہو گیا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح رکشا اسٹارٹ ہو جائے مگر مجھے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ مجبوراً میں نے اسے اپنے رکشا سے اتار دیا۔ اب یہ پاگل مجھ سے جھگڑا کر رہا ہے۔ کہہ رہا ہے، مجھے میری منزل پر پہنچاؤ ورنہ میں کرایہ نہیں

# بوجھ

تنویر ریاض

ماں سے چھپا کر اس نے دوسروں پر بھروسا کر کے کتنا غلط فیصلہ کیا تھا، اس کا احساس اسے اس وقت ہوا جب وہ ایک بڑی مصیبت میں پھنس گیا... اس کے بعد وہ پچھتاووں کے بوجھ تلے دبتا جارہا تھا کہ اچانک جیسے امید کی ایک کرن نے اسے پھر سے زندگی کی طرف لوٹا دیا... کیونکہ اس نے بہت جلد توبہ کر لی تھی...

**جرائم کی طرف بڑھتے قدموں کو روکنے والے رشتوں کا اعتبار......**

اس روز چارلی صبح جلدی اٹھ گیا۔ اس نے معمول کے مطابق کارٹون دیکھے اور ناشتا کیا پھر ماں نے اس کے لیے نہانے کا لباس نکالا جس میں ایک بے ڈول سی ٹی شرٹ، موزے اور بے آواز جوتے شامل تھے۔ جب وہ لباس تبدیل کر رہا تھا تو اس کی ماں نے پلاسٹک کے تھیلے میں نیکر، ایک اور ٹی شرٹ اور تولیا بھی رکھ دیا۔ وہ اپنی آیا جوڈی کے ساتھ پورے دن کے لیے جا رہا تھا۔ جب وہ دروازے کی طرف جانے لگا تو ماں نے اسے ہدایت کی کہ وہ تیرتا ہوا زیادہ دور تک نہ جائے اور نہ ہی کھانے کے فوراً بعد تیرنا شروع کر دے اور سن اسکرین ضرور لگائے۔

چند منٹوں بعد ویرن بھی آ گیا۔ اس نے صاف ستھرا لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور چارلی کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ اس کے بال سیاہ اور بے ترتیب ڈاڑھی تھی اور بدنما ہونٹوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔ کار کی دوسری طرف کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک لڑکی باہر آئی اور کار کے گرد چکر لگانے لگی۔ اس وقت تک چارلی اسے نہیں پہچان سکا۔ اس کی نظریں سڑک پر تھیں۔

چارلی کی نظریں اس کے ننگے پیروں سے ہوتی ہوئی اس کے جسم کا جائزہ لینے لگیں۔ اس لڑکی نے شارٹ جینز پہن رکھی تھی اور مختصر بلاؤز سے جسم کے اوپری حصے کو



انسان کی غفلت اسے ہمیشہ آنے والے کل کے بارے میں بے چین اور جانے والے کل کا سوچ کر افسردہ کیے رکھتی ہے... اور جس کے پاس تھوڑی سی سمجھ بوجھ ہوتی ہے وہ توکل کی بنیاد پر اس قدر مطمئن زندگی گزارتا ہے کہ سب حیرت زدہ رہ جاتے ہیں... وہ بھی ایسے ہی توکل پر یقین رکھتے تھے...

اندھیروں میں محبت کی روشنی پھیلانے والے ایک

جوڑے کی کتھا

# اللّٰہ کا وعدہ

ناہید سلطانہ اختر



اے ٹی ایم سے تنخواہ نکال کر ویگن میں گھر جاتے ہوئے صابر کا ذہن بیسیوں فکروں میں الجھا ہوا تھا۔ گرمی بھی نام پوچھ رہی تھی اور اس پر مستزاد مسافروں سے اٹاٹ بھری ویگن، جو بیٹھے تھے حبس سے بے حال، جو کھڑے تھے ویگن کی تیز رفتاری سے لرزہ براندام۔ کوئی دائیں جھولتا کوئی بائیں۔ کوئی ادھر لڑکھڑاتا، کوئی بیٹھے ہوئے اونگھتے ہم سفر پر گرتا۔ بلا کی گرمی، حبس اور رمضان۔ سحری میں جاگے ہوؤں کو نیند دن میں ستانے ہی لگتی ہے۔



# محفلِ شعر و سخن

❁ نبیلہ ثاقب......کراچی

اس کے پیچھے نہ چلو اس کی تمنا نہ کرو
چاند تو ہرجائی ہے ہر گھر میں اتر آتا ہے

❁ نادیہ ممتاز......سرگودھا

کتنی صدیوں میں ہوا یہ احساس
کوئی مجھ سے نہیں بہتر میرا
یہ زمانہ تو ہرا کیا ہوگا
کاش ہوجائے ہرا گھر میرا

❁ میمونہ علی......فیصل آباد

کیسے سنبھال رکھی ہے تو نے یہ کائنات
ہم سے تو ایک دل بھی سنبھالا نہ جا سکا

✳

❁ انعم کمال......حیدرآباد

یک لخت گرا ہے تو جڑیں تک نکل آئیں
جس پیڑ کو آندھی میں بھی ہلتے نہیں دیکھا
کانٹوں میں گھرے پھول کو چوم تو آئے گی لیکن
تتلی کے پروں کو کبھی چھلتے نہیں دیکھا

❁ کمال انور......اورنگی ٹاؤن، کراچی

دیکھی ہے بے رخی کی آج ہم نے انتہا
ہم پر نظر پڑی تو وہ محفل سے اٹھ گئے

❁ ناہید یوسف......اسلام آباد

میری آنکھوں میں ایک مدت سے
قافلے رت جگوں کے ٹھہرے ہیں

❁ عاصم خان......پشاور

آشنا ملتا نہیں ناآشنا سے مل چلو
ہے تقاضائے وفا اک بے وفا سے مل چلو

❁ جنید ملک......گلستان جوہر، کراچی

چھو کر ہی آئیں منزل امید ہاتھ سے
کیا راستے سے لوٹنا؟ جب پاؤں چھل چکا
اس وقت بھی خاموش رہی چشم پوش رات
جب آخری رفیق بھی دشمن سے مل چکا

❁ منیر شگفتہ......وہاڑی

لوٹ کر آیا تو سارا شہر ویراں تھا
سب وہی چہرے تھے بس اپنے یار کی صورت نہ تھی

❁ مہتاب احمد......حیدرآباد

بڑھ گیا اور بھی تنہائی کا میری احساس
اپنی تنہائی میں اک شخص کو شامل کرکے

❁ سحرش نواز......ملتان

کہیں ہوجائے اب یہ راستہ تبدیل ممکن ہے
ادھورے خواب کی اس طرح بھی تکمیل ممکن ہے
لہو میں سرسراتی آہٹوں کے پھول کھلتے ہیں
یہ لگتا ہے نئی دنیا کی اب تشکیل ممکن ہے

❁ عالیہ ناصر......سبی

تم ہمسفر ہوئے تو ہوئی زندگی عزیز
مجھ میں تو زندگی کا کوئی حوصلہ نہ تھا

# بھنور

آصفہ ضیا احمد

کہتے ہیں دنیا گول ہے لہٰذا اس کے تمام معاملات بھی اسی دائرے میں سفر کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ عمل اور اس کے نتائج بھی اسی مدار میں گھومتے ہوئے بالآخر اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ وہ بھی ایک ایسے ہی بھنور میں پھنس گئی تھی جس سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی لیکن جہاں مایوسی کی انتہا ہوتی ہے وہیں سے امید کا سفر شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے بھی ایک ایسا سہارا مل گیا جس نے اس کے تمام اندھیروں کو اجالے میں بدل ڈالا۔

ایک بے بس اور بے یارومددگار دوشیزہ کی عبرت اثر کہانی



"یہ کیا شرارت ہے..... کیا کررہے ہو گل؟" زلیخا زور سے چیخی۔ اس کے اس طرح چیخنے پر پانچ سالہ گلزار اچھل پڑا اور اس کے ہاتھ سے ماچس کی تیلیاں گر کر بکھر گئیں۔ جیسے ہی زلیخا نے دوڑ کر اسے پکڑنے کی کوشش کی، وہ اس کے ہاتھوں سے پھسلتا ہوا نکل بھاگا۔ زلیخا نے جلدی سے اپنی شیر خوار بچی کو بانہوں میں بھرا اور ممتا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی پیشانی کو چوما اور خود کلامی کے انداز میں بولی۔ "بالکل حیوان ہے۔ وہ تو اللہ نے خیر کیا۔

# سرد انتقام

نادیہ نور

زندگی سکون سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس لرزہ خیز واردات نے گویا اس کی دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا... اس کی بیٹی کا بھیانک قتل اس کے جینے کے تمام رستوں پر ایک سوال بن کر کھڑا ہو گیا لہٰذا پھر وہ کیسے انتقام کی راہ نہ اپناتی مگر... اس کا طریقہ اتنا سرد تھا کہ سوچنے اور دیکھنے والوں کو پسینا آگیا۔

رونگٹے کھڑے کر دینے والے سرد انتقام کی سبق آموز کتھا

"تمہیں دیکھ کر اور تمہارے بارے میں جان کر میں کوئی خاص پُرامید نہیں ہوں کہ تم ہمارا کام اچھی طرح کر پاؤ گے۔ میں تو شاید تم سے مزید بات کرنا پسند نہیں کرتا اور تمہیں اسی وقت رخصت کر دیتا۔" ڈاکٹر ولسن نخوت اور تکبر سے بولا۔

"مگر میری بیوی کا اصرار ہے کہ ہم اپنی پرانی اور وفادار ملازمہ کی گمشدہ بیٹی کو تلاش کرانے کا کام تم سے ہی کرائیں...... اسی لیے میں تم سے مجبوراً بات کر رہا ہوں۔"



قسط:28

# وقت

حسام بٹ

موت کے کنویں میں بھی وقت جس کا ہم رکاب تھا۔ایک ایسے پرعزم بازی گر کی بازی گری ...... سنسنی خیز واقعات پر مشتمل ایک دلربا طویل داستان

وقت بادشاہ اور کائنات کی ہر شے اس کی رعایا ہے لیکن... اس کی نہ کوئی شکل اور نہ ہی وجود ہے۔ اس کے باوجود یہی وقت روپ بدل بدل کر سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ جس کی گردش انسان کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ایک ہی پل میں کسی کو بادشاہت سے نوازتا ہے اور کسی کو زمین کی خاک چاٹنے پر مجبور کردیتا ہے۔ کبھی دن اور رات میں ڈھل کر عمر رواں کا نام پاتا ہے اور موسم کی طرح گزر جاتا ہے۔ کبھی مہربان اور مخلص دوست بن جاتا ہے اور کبھی سفاک دشمن کا کردار ادا کرتا ہے۔ کبھی محبت بن کر ہونٹوں پر ہنسی بکھیرتا ہے اور کبھی درد کی صورت آنسو بن کر دلوں میں گھاؤ ڈال دیتا ہے۔ چونکہ یہ کسی کا غلام نہیں اسی لیے کسی کی پروا بھی نہیں کرتا لیکن ... اتنا سنگدل ہے جو اس کی پروا نہیں کرتا اسے ایسی مار مارتا ہے کہ پینے کو دو بوند پانی تک نہیں ملتا اور اتنا بے ایمان بھی ہے کہ جس پر اپنی مرضی سے مہربان ہوجائے اس کے لڑکھڑاتے قدموں سے بھی قدم ملا کر عروج عطا کرتا ہے مگر شرارت سے پلٹ کر ان کی طرف بھی دیکھتا ہے جنہیں وہ بیچ بھنور میں تنہا چھوڑ آتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسے ہی مہربان لمحے کا اسیر تھا... جسے یہ تک خبر نہ تھی کہ وہ کون ہے اور کس خاندان سے وابستہ ہے۔ جس کی اپنی کوئی شناخت نہ تھی اس کے باوجود اس کی داستان حیات میں چاہنے والوں کی کمی نہ تھی۔ دو مختلف معاشروں اور تہذیبوں کا حسین امتزاج... ایک ایسا سلسلہ جو برسوں یاد رہے گا۔



# بھیدی

اعتزاز سلیم وصلی

جہاں میں ڈھنڈورا اور... یہاں بھی کچھ ایسا ہی منظر تھا جس کے پس منظر میں بڑی خطرناک کہانی چل رہی تھی۔ جس پر آنکھ بند کرکے بھروسا تھا وہی حقیقت سے آنکھیں چرانے پر مجبور تھا... کیونکہ اس کا جرم ہی اتنا بڑا تھا۔

**محبت میں چوٹ لگانے والے جیون ساتھی کا انوکھا فریب**



اس شام بھی حسب معمول کرکٹ گراؤنڈ کے ایک کونے پر بیٹھا میں اپنے مالی حالات پر غور کررہا تھا جو دن بدن ملکی حالات کی طرح خراب ہوتے جارہے تھے۔ جیب خالی تھی اور ماموں جی کے گھر سے نکما ہونے کا طعنہ دماغ میں گردش کررہا تھا۔ اچانک پیچھے سے کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ مارا۔ ”کون بدتمیز ہے۔“ میں پیچھے مڑا تو احمر دکھائی دیا جسے میں پیار سے احمق کہتا ہوں۔

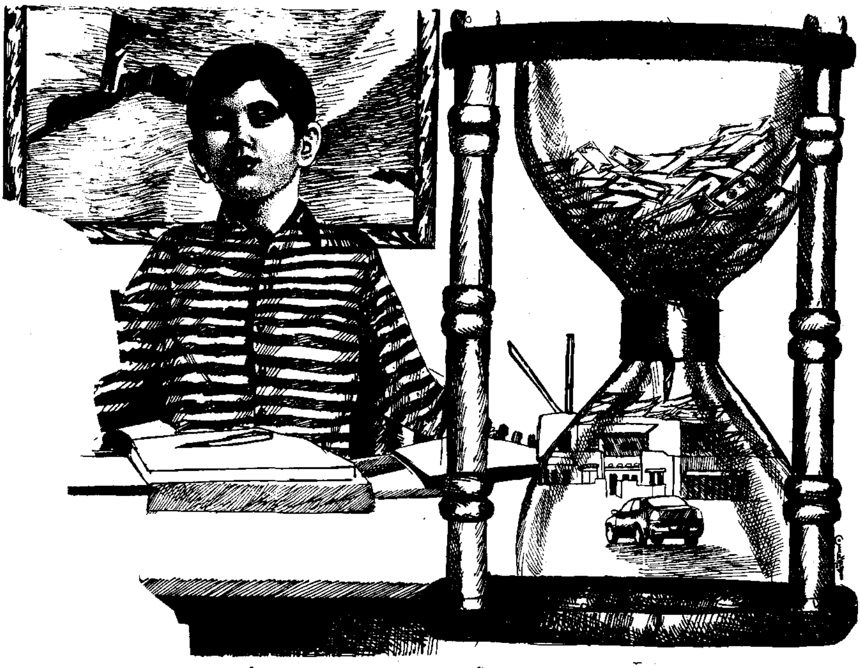
”خدا کے لیے کبھی زبان بھی استعمال کیا کر...... ہر وقت

# افواہ ساز

شاکر لطیف

کہتے ہیں حرکت میں برکت ہے مگر... ان کی حرکتوں میں اتنی برکت ہونے لگی تھی کہ ان سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی کیونکہ اس برکت میں دوسروں کے لیے زحمت نظر آنے لگی تھی... ان کی شرارتوں نے بیشتر لوگوں کی زندگی حرام کردی تھی لیکن اس دن ان کی اپنی زندگی کا بچنا محال لگ رہا تھا... بہرحال قدرت کب کہاں پلٹا کھا جائے کچھ خبر نہیں ہوتی... یہی ان کے ساتھ بھی ہوا...

**جھوٹ کے جال میں قید ایک شرارتی ٹولے کا انجام**



"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم دونوں کو تمہارے انکل جارڈن کے پاس روانہ کردوں۔ اس جگہ رہ کر تو تم اپنی حرکتوں سے باز آنے والے نہیں ہو۔" ڈیڈ کا یہ اعلان مجھ پر اور تھامسن پر کسی بم کی طرح گرا۔ انکل جارڈن کی سخت گیر طبیعت سے ہم دونوں بھائی بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے کافی عرصے سے شہری علاقے سے دور اپنا ایک فارم ہاؤس بنا رکھا تھا جہاں کافی تعداد میں جانور بھی پال رکھے تھے۔ ہمارے لیے وہاں جانے کا فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ حالانکہ

# قطعہ کہانی

منظر امام

بعض اوقات جن پر انحصار ہوتا ہے وہی لوگ دھوکا دے جاتے ہیں۔ اس بات کا احساس اسے اپنی قیمتی چیز کے چھن جانے پر ہوا۔ فی الحال تو اس کے پاس بے بسی سے رونے کے سوا کوئی راستہ نہ بچا تھا کیونکہ اس کی محبت کو اپنی جاگیر بنانے والے تایا نے ہر رشتے سے اس کا اعتبار ختم کر دیا تھا۔

خون کی آنسو رلانے والے خونی رشتوں کی عیاریاں



حکیم صاحب کی لڑکی بہت خوبصورت تھی۔

میں صرف ایک بار ہی اپنے بخار کا علاج کروانے حکیم صاحب کے مطب کی طرف گیا تھا حالانکہ میں جب بھی بیمار پڑتا کسی ایلوپیتھ ہی کے یہاں جایا کرتا تھا لیکن اس دن نہ جانے کیوں حکیم شمشاد کے مطب میں گھس گیا۔

میں یہ مطب ایک عرصے سے دیکھتا آ رہا تھا۔ میرا راستہ بھی یہی تھا اسی لیے حکیم صاحب کے بورڈ پر نظر پڑ جاتی تھی۔ شاید وہ کسی مشرقی علاج کے کالج کے فارغ التحصیل بھی تھے۔

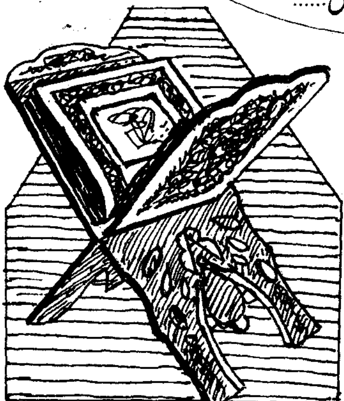
# اصحاب سبت

رضوانہ ساجد

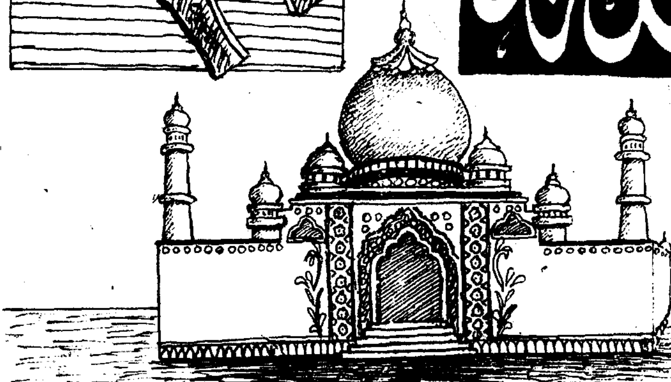
دین کوئی بھی ہو مگر منافقین اپنا کردار ادا کرنے سے بعض کبھی نہ آئے... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اہم تھی اسی وجہ سے اس پر طرح طرح کی نعمتیں اترتی رہیں مگر ان کی بے چین طبیعت نے انہیں مطمئن نہ رہنے دیا... ہر امت کے لیے اللہ نے کوئی نہ کوئی دن اپنی عبادت کے لیے منتخب کیا... جس طرح مسلمانوں کے لیے جمعے کا دن... اسی طرح ان کے لیے ہفتے کا دن مقرر تھا مگر... بے چین طبیعت اور ان کی نافرمانیوں کا وہی حال رہا...

محض مچھلیاں پکڑنے کے لیے منافقین کی

مکر بازیوں کا احوال......





اصحاب سبت (ہفتے کے دن والے) کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے تھا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دینِ حنیف کی سربلندی کے لیے جو اصول وضع کردیے تھے ان پر سختی سے عمل کیا جا رہا تھا۔ جب آپ کے دو بیٹوں کی نسلوں سے بنو اسمٰعیل اور بنو اسحٰق سامنے آئے تو بھی ''شعائر اللہ'' کے متعلق یکساں اصول پائے جاتے تھے۔

# وفا پرست

احمد سلیم سلیمی

دنیا میں بہت سے ایسے واقعات جنم لیتے ہیں جن کے حقیقی ہونے پر مشکل سے ہی یقین آتا ہے۔ چاہت اور حسن جب ایک شخصیت میں اکٹھے ہو جائیں تو بے شمار لوگوں کا دل بے ایمان ہو جاتا ہے۔ وہ حسن کی دیوی بھی جانے کتنوں کا ایمان ڈانواں ڈول کر چکی تھی مگر اس کی معصومیت نے ہی اس کی جان لے لی۔

فریبی دنیا میں بسنے والی ایک وفا پرست شہزادی کا رنج و الم

موسم بہار کی آمد آمد تھی۔ پہاڑی علاقوں میں شدید سردیوں سے بوجھل لمحے رخصت ہو رہے تھے۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے، خوشبو کے بوجھ سے جیسے لڑکھڑا رہے تھے اور چاروں طرف مستی بکھیر رہے تھے۔

وہ ایک ایسی ہی شام تھی۔ ریاست گوپس کے حاکم کے قلعے کا بڑا سا پھاٹک کھلا، چند گھڑسوار قلعے کے اندر سے نمودار ہوئے اور ہلکی رفتار سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے مغربی سمت روانہ ہوئے۔ گھوڑوں پر شہزادی ہاشم بیگم اور اس کی سہیلیاں سوار تھیں۔ اگلے دن جشنِ نوروز تھا جس کے لیے وہ پھول چننے پہاڑی باغ کی طرف جا رہی تھیں۔

شہزادی ہاشم بیگم، حاکم گوپس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ بڑے ہی نازوں میں پلی بڑھی تھی، بہت ہی حسین تھی۔ اس کی خوبصورتی کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ چترال سے لے کر ہنزہ گلگت تک، راجوں اور میروں کے بیٹے اسے اپنانے کے آرزومند تھے۔ کئی ایک نے شادی کا پیغام بھیجا تھا۔ لیکن حاکم گوپس میں اپنی اکلوتی بیٹی خود سے جدا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے کسی کو بھی مثبت جواب نہیں دیا تھا۔

شہزادی ہاشم بیگم اور اس کی سہیلیاں، آہستہ آہستہ گھوڑے دوڑاتی ہوئی پہاڑی باغ میں پہنچ گئیں۔۔۔ باغ مغربی سمت ایک سرسبز پہاڑی پر تھا۔ پہاڑ کی چھاتی پر سے کسی چشمے سے پانی بہتا ہوا، پتھروں سے ٹکراتا ہوا نیچے



زندگی سے بےزار نفرت کی چنگاریوں میں جھلستی ایک حسینہ کی انتقامی کارروائیاں

# ازالہ

ایچ اقبال

کبھی کبھی انسان کو اس بات کا خیال ہی نہیں آتا کہ وہ اپنا چھوٹا سا فائدہ کرنے کے لیے دوسروں کا کتنا بڑا نقصان کر ڈالتا ہے... وہ بھی ایک ایسا ہی خودغرض باپ ثابت ہوا جس نے محض دولت کی چمک میں اپنے فرائض سے آنکھیں بند کر لیں لیکن... آنکھیں بند کر لینے سے نہ مصائب ٹلتے ہیں اور نہ ہی حقائق بدلتے ہیں... اور پھر وقت نے ایک مصیبت زدہ کو اپنی ٹھوکروں میں یوں رکھا کہ اس میں سوائے انتقامی زہر کے کچھ نہ بچا... اور جب اس کے رشتے کو کسی نے اہمیت نہ دی تو اس نے بھی رشتوں سے کھلواڑ شروع کر دیا... مگر قدرت کو شاید اس کا یہ کھیل پسند نہ آیا... اس کی ڈوری بھی کھینچ لی گئی اور یہ اس کے حق میں اچھا ہی ہوا کیونکہ اس طرح کسی کو ازالے کا موقع مل گیا... اور یوں ایک بھٹکے ہوئے مسافر کو درست سمت میں سفر کا اشارہ ملا جو اسے اس کی منزل تک لے جاتا تھا...

